جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

# An Examination of the Conditions and Criteria of Human Free Will in the Holy Qur’an: In Light of the Thought of Allama Misbah Yazdi

**Muhammad Taqi Qazi** [1] and **Farman Ali Saeedi Shigari** [2]

1. Level 4 Researcher, Specialization in Fiqh and Islamic Propagation, Al-Mustafa International University E-mail: qazimtaqi1920@gmail.com

2. Assistant Professor, Al-Mustafa International University, E-mail: Farman.shigari@gmail.com

## Article Info

**Article type:**
Research Article

**Article history:**
Received:
2 March 2026
Received in revised:
17 May 2026
Accepted:
14 June 2026
Available online:
24 June 2026

***Keywords***:
Free Will;
Choice;
Conditions;
Criteria; Holy Qur’an;
Ayatollah Misbah Yazdi; Human Responsibility;
Divine Will;
Hereafter

## ABSTRACT

This study examines the nature, conditions, and criteria of human free will in the Holy Qur’an from the perspective of Allama Misbah Yazdi. It addresses the claim that human beings are entirely determined and seeks to clarify why free choice is essential to human dignity, moral responsibility, reward, punishment, and ultimate felicity. The article aims to identify the Qur’anic conditions for free will and the principles governing its proper exercise.The study adopts a descriptive-analytical method. It draws on Qur’anic verses, exegetical and philosophical sources, and the scholarly views of Ayatollah Misbah Yazdi, especially his discussions of human agency, divine will, knowledge, power, and desire .The findings show that, by his very creation and existential station, man is a free and responsible being endowed with reason, will, and choice. Qur’anic signs of free will include divine testing, covenant, promise and warning, commands and prohibitions, praise and blame, and the call to choose faith or disbelief. Free choice requires three main conditions: knowledge and cognition, power and ability, and balanced desires and inclinations. Knowledge includes sensory, rational, intuitive, and revelatory modes. Power includes physical, industrial, social, and metaphysical dimensions. Desires include instinctual, individualistic, immortality-related, and divine inclinations. When desires conflict, criteria such as intensity of pleasure, duration, and perfection help determine preference. However, the most important criterion is consideration of the Hereafter. Misbah Yazdi emphasizes that God’s will does not cancel human will; rather, divine will is overarching while human choice remains real and accountable.

**Cite this article**: Qazi & Shigari. (2026). An Examination of the Conditions and Criteria of Human Free Will in the Holy Qur’an: In Light of the Thought of Allama Misbah Yazdi

*New Horizons in Quranic Studies*, 2 (3), 255-276

© The Author(s). **Publisher:** Al-Mustafa International University

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث
ششماہی علمی مجلہ جدید قرآنی افکار، جنوری تا جون ۲۰۲۶، سال۲، شمارہ ۳
New Horizons in Quranic Studies, january - june 2026/ Vol.2, No. 3
An Examination of the Conditions and Criteria of Human Free Will in the Holy Qur'an: In Light of the Thought of Allama Misbah Yazdi

# قرآن مجید میں انسان کی اختیار کی شرائط اور معیار کا جائزہ: علامہ مصباح یزدی (رح) کی افکار کی آئینہ میں*

محمد تقی قاضی [1] اور فرمان علی سعیدی شگری [2]

cc BY

## اشاریہ

یہ تحقیق قرآن مجید کی روشنی میں انسان کے اختیار کی حقیقت، شرائط اور معیار کا جائزہ لیتی ہے، بالخصوص علامہ مصباح یزدی کے افکار کی آئینہ میں۔ اس کا مقصد ان لوگوں کے دعوے کا جواب دینا ہے جو انسان کو مجبور محض سمجھتے ہیں، اور یہ واضح کرنا ہے کہ اختیار انسانی وقار، اخلاقی ذمہ داری، جزا و سزا اور دنیا و آخرت کی سعادت کی بنیاد ہے۔ تحقیق میں توصیفی-تحلیلی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور تخلیقی مقام کے اعتبار سے ایک مختار، ذمہ دار اور عقلمند وجود ہے۔ قرآن میں اختیار کی نشانیوں میں امتحان، عہد و پیمان، وعدہ و وعید، اوامر و نواہی، تعریف و مذمت، اور ایمان و کفر کے انتخاب کی دعوت شامل ہیں۔ اختیار کے لیے تین بنیادی شرائط ضروری ہیں: علم و شناخت، طاقت و قدرت، اور خواہشات و میلانات کا توازن۔ علم میں حسی، عقلی، حضوری اور وحیانی ادراک شامل ہیں۔ طاقت کی اقسام جسمانی، صنعتی، سماجی اور مابعد الطبیعیاتی ہیں۔ خواہشات میں غریزی، انفرادیت، بقا اور الٰہی میلان شامل ہیں۔ متضاد خواہشات کی صورت میں ترجیح کے معیار لذت کی شدت، مدت اور کمال کی مقدار ہیں، لیکن سب سے اہم معیار آخرت کو مد نظر رکھنا ہے۔ علامہ مصباح یزدی کے نزدیک مشیت الٰہی انسانی اختیار کا نعم البدل نہیں، بلکہ خدا کی ارادہ محیط ہے اور انسان کا اختیار حقیقی اور جوابدہ ہے۔ انسانی اختیار محض نظری اصول نہیں بلکہ ایک وجودی، اخلاقی اور عملی حقیقت ہے۔ یہ ذمہ داری اور روحانی کمال کی بنیاد ہے۔

**کلیدی الفاظ:** اختیار؛ انتخاب؛ شرائط؛ معیار؛ قرآن مجید؛ آیت اللہ مصباح یزدی؛ ذمہ داری؛ مشیت الٰہی؛ آخرت

---

* موصول ہونے کی تاریخ: ۲۰۲۶/۳/۲ & آرٹیکل کی تایید کی تاریخ : ۲۰۲۶/۶/۱۴

۱. دانش پژوہ سطح۴، تخصص فقہ و تبلیغ المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی، قم، ایران( qazimtaqi1920@gmail.com )

۲ . اسسٹنٹ پروفیسر ،المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی، قم،ایران۔ (Farman.shigari@gmail.com)

## تمہید

قرآن مجید انسان کو ایک مختار، ذمہ دار اور عقلمند وجود کے طور پر پیش کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی قرار دیا ہے۔ یہ مُکانِ انتخاب اور اختیار، انسانی وقار، ذمہ داری اور آخرتی جوابدہی کی بنیاد ہے۔ آیت اللہ مصباح یزدی (رحمۃ اللہ) نے قرآن کریم اور حکیمانہ توحیدی تفکر کی روشنی میں اختیار کے اس عظیم مفہوم کو صرف ایک فلسفیانہ مسئلہ نہیں، بلکہ ایک وجودی حقیقت کے طور پر دیکھا ہے جو انسان کی تخلیق کے مقصد، اس کی ذمہ داریوں اور اس کی سعادت کا محور ہے۔ اس بحث کا آغاز انسانی تخلیق کے قرآنی تصور سے ہوتا ہے، جہاں اسے "خلیفۃ اللہ" کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے —ایک مقام جو بغیر مختاریت کے ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں وعدہ وعید، امتحان، عہد وپیمان اور بارہا ارشادِ ربانی **فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ** جیسی آیات، انسانی اختیار کی واضح دلیلیں ہیں۔ اس کے علاوہ، آیت اللہ مصباح یزدی (رحمۃ اللہ)، قرآن مجید کے نکتہ نظر کو مد نظر رکھتے ہوئے اختیار کو صرف ایک نظری تصور نہیں مانتے، بلکہ اس کے لیے عملی شرائط — علم و شناخت، طاقت، اور ہیجانات و میلانات کی متوازن حالت — کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ یہ شرائط ہی وہ معیار ہیں جن کی بنا پر انسانی انتخاب، اخلاقی ذمہ داری اور روحانی سفر کا تعین ہوتا ہے۔ اس مقدمے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن مجید اور آیت اللہ مصباح یزدی (رحمۃ اللہ) کی نگاہ میں انسانی اختیار صرف ایک اصول نہیں، بلکہ ایک جامع نظامِ زندگی ہے جو علم، طاقت اور روحانیت کے متوازن امتزاج پر مبنی ہے۔

## ۱-اختیار کا مفہوم

لفظ "اختیار" عرف اور نظریاتی بحثوں میں کئی طریقوں سے اور کئی صورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جن میں سے بعض استعمالات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا: اختیار جو کہ اضطرار کے مقابلے میں ہے۔ فقہ میں اس کا اطلاق اس حالت پر ہوتا ہے جب انسان کسی ہنگامی صورت حال (مثلاً جان کے خطرے) میں مجبوراً کوئی حرام کام کرے، جیسا کہ آیت میں ہے: **إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ... فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ** (سورہ بقرہ آیت ۱۷۳).

دوسرا: اختیار جو کہ اکراہ کے مقابلے میں ہے۔ یہ قانونی معاملات میں استعمال ہوتا ہے، جہاں کسی دھمکی یا نقصان پہنچانے کی دھمکی کے تحت کام کرنا اکراہ کہلاتا ہے، اور اس کے برعکس رضامندی سے کیا گیا عمل اختیاری ہوتا ہے۔ اضطرار اور اکراہ میں فرق یہ ہے کہ اضطرار میں کوئی دوسرا خطرہ نہیں ہوتا بلکہ خود شخص کی ہنگامی حالت ہوتی ہے۔

تیسرا: اختیار جو ارادہ اور انتخاب کے معنی میں ہے۔ فلسفہ میں "فاعل بالقصد" کے لیے استعمال ہوتا ہے، جہاں شخص مختلف راستوں پر غور کرتا ہے، ان کا موازنہ کرتا ہے، پھر شوق اور ارادے کے ساتھ ایک کا انتخاب کرتا ہے، اور یہ دھمکیوں یا شرائط سے آزاد ہوتا ہے۔

چوتھا: اختیار جو کہ جبر کے مقابلے میں ہے۔ یہ سب سے وسیع معنی ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ شخص پہلے تصور و موازنہ کرے، بلکہ صرف یہ کہ کام رضامندی اور شوق سے انجام دیا گیا ہو۔ اس معنی کے مطابق اختیار خدا، فرشتوں اور دیگر مجردات کے لیے بھی درست ہے، حالانکہ وہ تصور و تصدیق کے مراحل سے گزرتے ہی نہیں۔

چنانچہ علامہ طباطبائی کے مطابق: "فاعل بالرضا" اور "فاعل بالتجلی" میں کوئی مخالف خارجی دباؤ نہیں ہوتا۔ خدا کی قدرت کے مقابلے میں کوئی قدرت نہیں، اور مجردات تام بھی بیرونی عناصر سے متاثر نہیں ہوتے (محمد حسین طباطبائی، نهاية الحكمة، تصحيح وتعليق: غلامرضا الفياضي، ج۳، ص۶۶۲)۔

اسی طرح علامہ جعفری کے مطابق: اختیار کے معنی ارادہ کے مفہوم سے مصداقی طور پر مختلف ہو سکتے ہیں۔ اگر ارادہ "قصد و عزم" کے معنی میں ہو تو ہر قصد کرنے والا مختار ہے، لیکن ہر مختار ضروری نہیں کہ قصد رکھتا ہو. (محمد تقی جعفری، جبر و اختیار، ص ۱۰۲)۔

## ۲- قرآن مجید اور انسان کے اختیار کی نشانیاں

قرآن مجید پر مختصر نظر ڈالنے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے مطابق انسان ایک بااختیار مخلوق ہے۔ بنیادی طور پر انبیاء کا آنا اور آسمانی کتابوں کا نزول انسان کے اختیار کے بغیر ایک فضول عمل ہے۔ یہ امر دلالت کرتا ہے کہ خدا اور انبیاء علیہ السلام انسان کو بااختیار سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں مختار شخص کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں؛ یہاں بعض اہم نشانیوں کا ذکر کیا جارہا ہے:

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

### الف: سختی اور امتحان مختار ہونے کی نشانی

انسانی مصائب اور آزمائش کے تناظر میں جو آیات نازل کی گئی ہیں وہ انسان کے اختیار پر دلالت کرتی ہیں:

إِنَّا خَلَقْنَا الإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا؛۔ "یقینا ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے تا کہ اس کا امتحان لیں اور پھر اسے سماعت اور بصارت والا بنا دیا ہے" (سورہ دہر آیت ۲)۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً بیشک ہم نے روئے زمین کی ہر چیز کو زمین کی زینت قرار دے دیا ہے تا کہ ان لوگوں کا امتحان لیں" (سورہ کہف، آیت ۷)۔

### ب: وعدہ وعید

وعدہ اور وعید کی آیات ان میں سے ہیں وہ اوصاف جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو عطا کیے ہیں وہ مبشر (خوشخبری دینے والے) منذر (ڈرانے والے) ہیں: "كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً...؛" (فطری اعتبار سے) سارے انسان ایک قوم تھے. پھر اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے" (سورہ بقرہ، آیت ۲۱۳)۔

خوشخبری یہ ہے کہ انبیاء لوگوں کو اچھے کام کرنے پر اچھے وعدے دیتے ہیں، اور ڈرانا یہ ہے کہ برے کاموں کے نتائج سے خبر دار کریں اب وہ چاہے دنیاوی نتائج ہوں یا آخرت کے نتائج، بعض اوقات قرآن مجید یہ کہنے کے بجائے کہ ہم نے ایک نبی بھیجا ہے فرماتا ہے کہ نذیر بھیجا ہے۔

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلاَّ خلاَ فِيهَا نَذِيرٌ؛ اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو" (سورہ فاطر، آیت ۲۴)۔

یا قیامت کے دن مومنوں سے کہے گا: أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ؛ "کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا" (سور ملک، آیت ۸)۔

وعدہ اور وعید، بشارت اور ڈرانے کے یہ تمام امور اسی صورت میں ہی معنی رکھتے ہیں جب انسان مختار ہو گا۔

### ج: عہد و پیمان

آیات کی ایک اور قسم جو انسان کے اختیار کو ظاہر کرتی ہیں وہ آیات عہد و میثاق ہیں جو بطور عام یا خاص افراد کے لیے ہیں "اولاد آدم کیا ہم نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ خبر دار شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا کہ یہی صراط مستقیم اور سیدھا راستہ ہے" (سورہ یس، آیت ۶۰-۶۱)۔

اگر کوئی شخص مجبور ہو اور اس کے پاس اختیار نہ ہو تو اس کے ساتھ خدا کا عہد ایک بیہودہ کام ہے۔

نقلی اور عقلی دلائل کے علاوہ انسان علم حضوری سے خود کو مختار پاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے حالات میں جب کوئی شخص دوراہے پر ہوتا ہے، بغیر کسی جبر کے وہ دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرتا ہے۔

## ۳۔ جبر اور اس کے بارے میں مختلف شبہات کا جائزہ

قرآن کریم میں ایسی آیات ہیں جن کے بارے میں بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ جبر پر دلالت کرتی ہیں (محمد تقی مصباح یزدی، معارف قرآن (خداشناسی)، ج۱، ص ۲۰۳-۲۱۲، ۲۱۹، ۲۲۰ ۔ مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج ۲، ص ۲۸۹-۲۹۳ )۔ ان آیات میں سے بعض یہ کہتی ہیں کہ آپ کی مرضی اور ارادہ خدا کی مرضی کے ماتحت ہے اور خدا کی مرضی آپ پر غلبہ رکھتی ہے (احمد واعظی، انسان شناسی، ص ۱۱۲ ۔ محمود رجبی، انسان شناسی، ص ۱۵۷)۔

وَمَا تَشَاؤُونَ إِلاَّ أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ؛ "اور تم کچھ بھی ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ یقیناً رب العالمین چاہے" (سورہ تکویر، آیت ۲۹)۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا چاہے گا تو ہم میں مشیت پیدا ہو گی اور اگر وہ نہیں چاہے گا تو ہم بھی نہیں چاہیں گے اور ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ پس جو چیز اثر گذار ہے وہ خدا کی مرضی ہے اور ہم ایک بے ارادہ واسطہ کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

دوسری قسم وہ آیات ہیں جو کہتی ہیں کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ خدا کی مرضی سے ہونا چاہیے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلاَّ بِإِذْنِ اللّهِ؛ "اور کسی نفس کے امکان میں نہیں ہے کہ بغیر اجازت و توفیق پروردگار کے ایمان لے آئے" (سورہ یونس، آیت ۱۰۰)۔ یعنی انسانی ایمان اور کفر بھی خدا کے اذن سے ہے۔

قضا اور قدر کے بارے میں آیات بھی ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور کوئی بھی چیز خدا کے فیصلے اور تقدیر کے دائروں سے باہر نہیں ہے۔

البتہ یہ جان لینا چاہیے کہ مشیت ،ارادہ، اذن اور قضا و قدر الٰہی کا مطلب انسان کے اختیار کی نفی نہیں ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب یہ سب اختیار کی جگہ لے لیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام یا تو ہمارے ارادہ سے یا خدا کے ارادہ سے ہونا چاہیے، جبکہ آخری صورت میں، خدا کا ارادہ ہمارے ارادہ کی نفی کرتا ہے۔ لیکن خدا کی مرضی؛ لیکن خدا کا ارادہ اور انسان کا ارادہ ایک دوسرے کے متقابل نہیں ہیں، اور خدا کا ارادہ انسان کے ارادہ کی جگہ نہیں لیتا، بلکہ وہ ایک دوسرے کے طول میں ہیں۔ جو کچھ انسان کے ارادہ سے انجام پاتا ہے، اپنے اصولوں اور اثرات کے ہمراہ (ایک ساتھ )، خدا کے ارادے کے تحت ہوتا ہے۔ ہمارے کام کا ہمارے ارادہ کے ساتھ سبب اور مسبّب والا تعلق ہے. ہم کچھ ارادہ کریں گے تو کوئی کام انجام پائے گا لہٰذا جب تک ارادہ نہیں کریں گے تو کوئی کام انجام نہیں پائے گا۔ البتہ یہی سبب اور مسبّب اور دوسرے اصول، سب کا تعلق خدا کے ارادہ سے ہے۔ کیونکہ اس کام کا اصل اور قریبی سبب انسان کا ارادہ ہے۔ پس خدا کا ارادہ اور انسان کا اردہ ایک دوسرے کے طول میں ہیں۔

اگرچہ اس سلسلہ میں سبب اور مسبّب ہیں، لیکن سب خدا کے ارادہ کے تحت ہیں بنیادی طور پر، پورا نظام خدا کے ارادہ سے وابستہ ہے، لہٰذا جب تک خدا کا ارادہ نہ ہو، یہ نظام وجود میں نہیں آئے گا اگر یہ خدا کا ارادہ نہیں ہوگا، تو نہ ہم جو مرید ہیں،، ہوں گے اور نہ ہی کوئی مراد اور ارادہ ہو گا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا، ہمارا ارادہ اور خدا کا ارادہ طول میں ہیں، اور یہ اس حقیقت سے متصادم نہیں ہے کہ یہ سارا نظام ارادہ الٰہی سے وابستہ ہے۔ لہٰذا اذن ،مشیت، قضا اور قدر جیسے تمام مسائل کو حل کرنے کی کلید یہی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی انسان کے ارادہ کا نعم البدل نہیں ہے، بلکہ یہ دنیا کے اسباب و مسبّب کے نظام سے ماورا نظام ہے۔ آیات توحید افعالی کو بیان کرتی ہیں اور وہ انسان کو اپنے اور خدا کے بارے میں لاعلمی سے باہر نکالتی ہیں۔ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے عمل میں مستقل ہے (اور اکثر لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں) قرآن مجید لوگوں کو اس غفلت سے بیدار کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ یہ نہ سوچیں کہ وہ خود مستقل ہیں۔ خدا ہو یا نہ ہو چاہے یا نہ چاہے وہ ہیں اور اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ قرآن یہ بتانا چاہتا ہے کہ اللہ کے ارادہ سے بالاتر کوئی ارادہ نہیں ہے:

... فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ؛ اگر (اللہ) چاہے تو تم سب کو ہدایت دے دے (سورہ انعام، آیت ۱۴۹)۔

اے کفار یہ مت سمجھو کہ تمہارے کفر سے تمہاراارادہ خدا کے ارادہ پر غالب آگیا، نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ " فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ... " وہ سب کو جبری طور پر ہدایت دے سکتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں چاہتاخدا تکوینی طور پر یہ چاہتاہے کہ انسان اپنی ارادہ سے کام انجام دے۔

پس یہ الفاظ اس لیے ہیں کہ کافر یہ نہ سمجھیں کہ جب انہوں نے خدا کے ارادہ تشریعی کے خلاف کام انجام دیا تو وہ اسے شکست دے چکے ہیں یا اس پر غالب آگئے ہیں۔

## ۴-اختیار اور انتخاب انسان کی شرائط

اختیار کی بحث میں یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان کا کمال ایک ایسا کمال ہے جو اختیار اور انتخاب سے حاصل ہو تا ہے۔ لہذا، یہ کہا جاسکتاہے کہ: انسانی کمال کی خصوصیت اس کے انسان ہونے کی وجہ سے اختیار کے ساتھ کمال تک پہنچنا ہے اور یہی وہ چیز ہے جسے سورہ احزاب کی آخری آیت میں امانت کے نام سے ذکر کیا گیاہے کہ انسان نے قبول کیا ہے:

"إِنَّا عَرَضْنَا الأَمَانَةَ...؛" بیشک ہم نے امانت کو آسمان زمین اور پہاڑ سب کے سامنے پیش کیا اور سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور خوف ظاہر کیا بس انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا کہ انسان اپنے حق میں ظالم اور نادان ہے "(سورہ احزاب، آیت ۷۲)۔ مذکورہ آیت اور اس کی تفسیر کے بارے میں بہت سی بحثیں ہیں۔ جس کے لیے تفسیر المیزان کی طرف رجوع کرسکتے ہیں (محمد حسین طباطبائی، المیزان، ج ۱۶، ص ۳۷۳)۔

اس آیت میں امانت کی جو بھی تفسیر کی جائے، انتخاب، اختیار اور ذمہ داری سے جدا نہیں ہو گی، اور یہ وہی عظیم خدا کے سامنے ایک شخص کا ذمہ دار ہونا ہے۔

### الف: علم وشناخت

علم وشناخت؛ اختیار اور انتخاب کی پہلی شرط ہے۔ قرآن مجید میں اس حوالے سے اتنی آیات ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ لہذا ہم کوشش کریں گے کہ پہچان سے متعلق اہم ترین موضوعات کو قرآن مجید کے نقطہ نظر سے پرکھیں سب سے واضح آیات جو "علم " کے بارے میں موجود ہیں، خاص طور پر وہ آیات جو انسان کے اختیار اور ذمہ داری سے متعلق ہیں؛ جن میں سے ارشاد ہو تا ہے کہ:

إِنَّا خَلَقْنَا الإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيراً؛ "یقیناہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے تا کہ اس کا امتحان لیں اور پھر اسے سماعت اور بصارت والا بنادیا ہے" (سورہ انسان، آیت ۲)۔

یہ آیت نطفہ سے ملکر انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اسکی تخلیق کی حکمت اور مقصد کہ جو اس کا امتحان لینا ہے، کی طرف اشارہ کرتی ہے۔یعنی اسے مختلف راستوں کا سامنا کرنا پڑے گا تا کہ اسکے (امتحان) اور ذمہ داری کی انجام دہی کا مقدمہ فراہم ہوسکے۔ پھر وہ فرماتا ہے: ہم نے اسے سمجھنے کی صلاحیت دی، ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا پیدا کیا۔

الفاظ کے درمیان تعلق سے، ہم دیکھتے ہیں کہ (امتحان) کے لیے سماعت اور بینائی ضروری ہیں. (انسانی ادراک کی اقسام میں سے سمع اور بصر کا انتخاب پہچان میں ان دونوں حواس کی اہمیت اور وسعت کی وجہ سے ہے۔ بہر حال اس آیت سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ انسان کو آزمانے کے لیے اور اس دنیا میں اس کی تخلیق کا مقصد پورا ہونے کے لیے اس کے پاس پہچان کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَاللّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ الْسَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ؛ "اور اللہ ہی نے تمہیں شکم مادر سے اس طرح نکالا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اسی نے تمہارے لئے کان آنکھ اور دل قرار دئے ہیں کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ" (سورہ نحل، آیت ۷۸)۔

علم مختلف حالتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عرف میں، جب ہم کہتے ہیں علم، تو ہمارا مطلب آگاہی والا علم ہوتا ہے۔

روایات کے مطابق پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ معصومینؑ، ماں کے پیٹ میں بھی علم رکھتے تھے اور تسبیح کرتے تھے، لیکن یہ استثنائی موارد ہیں۔ قرآن کی مذکورہ آیات عادی اور متعارف صورتوں کے بارے میں ہیں، عام افراد کے بارے میں نہیں ہے۔

قرآن صرف عقل اور حواس (بصارت، سماعت) کو پہچان کا ذریعہ نہیں مانتا بلکہ دل کو بھی پہچان کا ایک اہم ذریعہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: "کیاان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ ان کے دل ہوتے جو سمجھ سکتے" (حج: ۴۶)۔ نیز آیت میں ہے: "ان کے پاس دل ہیں مگر ان سے نہیں سمجھتے، آنکھیں ہیں مگر ان سے نہیں دیکھتے، کان ہیں مگر ان سے نہیں سنتے" (اعراف: ۱۷۹)۔ یہاں "فقہ" (حقیقت کو سمجھنا) دل سے منسوب کیا گیا ہے۔ ہر وہ چیز جس

میں ادراک، علم، معرفت یا علمی حالات شامل ہوں، دل کی طرف منسوب ہے۔ احساسات اور جذبات بھی ادراک کے ہمراہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح قرآن میں علم کے دو طریقے بیان ہوئے ہیں:

پہلا: عادی علم جو تمام انسانوں کے لیے دستیاب ہے —چاہے وہ حصولی ہو (حواس و عقل کے ذریعے) یا حضوری (دل کے ذریعے)۔ اسی سلسلے میں فرمایا: "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا" (علق: ۱-۲)۔

دوسرا: غیر معمولی علم جو صرف بعض خاص لوگوں کے لیے ہے، جیسے وحی کے ذریعے حاصل ہونے والا علم۔ فرمایا: "رحمن نے قرآن سکھایا" (الرحمن: ۱-۲)۔ نبی ﷺ نے قرآن عام طریقے سے نہیں سیکھا بلکہ وحی کے ذریعے حاصل کیا۔ یہ علم صرف انبیاء تک محدود نہیں، بعض اوقات دوسرے افراد بھی "علم لدنی" کے ذریعے غیر معمولی علم حاصل کر لیتے ہیں۔

آخر میں یہ نتیجہ نکلا کہ تخلیق کا مقصد اور الٰہی حکمت یہ تقاضا کرتی ہے کہ جو معرفت انسان کی حقیقی ارتقا کی راہ میں ضروری ہے اور عقل کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی، وہ وحی کے ذریعے فراہم کی جائے۔

### ب: طاقت

ہم نے کہا کہ انسان کی واضح خصوصیت اس کا بااختیار ہونا ہے جو ایک طرف اس کی ذمہ داری کا باعث بنتی ہے اور دوسری طرف اس کی کرامت کے حصول کے لیے مقدمہ فراہم کرتی ہے۔ یہ اختیار (علم) اور (طاقت) کی بنیاد پر قائم ہے (محمد تقی مصباح یزدی، خودشناسی برای خودسازی، ص ۳۱)۔ راستے کے انتخاب کے لیے شناخت ضروری ہے اور جس کا انتخاب کیا ہے اس کے انجام دینے کے لیے اختیار کا ہونا ضروری ہے۔

علم پر مختصراً بحث ہو چکی ہے، اب ہم طاقت کے بارے میں کچھ مطالب بیان کریں گے۔

انسانی قوت کو ایک نقطہ نظر سے چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ قدرتی یا جسمانی طاقت: کہ ان کو استعمال کر کے انسان صرف جسمانی طاقت پر بھروسہ کر کے اپنے وجود سے باہر کچھ کام انجام دے سکتا ہے۔

۲۔ صنعتی طاقت: جو صنعتی آلات کی مدد سے اور قدرت پر حکمرانی کرنے والے قوانین کے علم سے فائدہ اٹھا کر قدرت کے دوسرے حصے پر قبضہ کر لیتی ہے۔

۳۔ سماجی طاقت: جو سماجی حالات اور نفسیاتی عوامل سے فائدہ اٹھا کر حاصل کی جاتی ہے اور دوسرے لوگوں کو اس کی بنیاد پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کی بنیاد پر دوسرے انسانوں سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے

۴۔ مابعد الطبیعیاتی طاقت: جو دوسری تمام طاقتوں سے مختلف ہے اور انسان کی روح اور انسان کے مافوق الطبیعت عنصر سے ظاہر ہوتی ہے اور طبیعت یا غیر طبیعت پر اثرات رکھتی ہے۔

**الف: جسمانی طاقت**

انسان کی جسمانی طاقت کو موضوع کے مطابق تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

**۱- قدرتی طاقت جو انسان طبیعت میں استعمال کرتا ہے:**

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم ما فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً؛"کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخّر کر دیا ہے اور تمہارے لئے تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو مکمل کر دیا ہے"(سورہ لقمان، آیت ۲۰)۔

**۲۔ جاندار چیزوں پر انسانی طاقت کا استعمال**

وَالأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ...؛"اور اسی نے چوپایوں کو بھی پیدا کیا ہے جن میں تمہارے لئے گرم لباس اور دیگر منافع کا سامان ہے"(سورہ نحل، آیت ۵)۔

آیت کا لہجہ توحید پر مبنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کے لیے چار ٹانگوں والے جانور جن میں گرمی اور فائدہ ہے، پیدا کیا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان اس طاقت سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہے فائدہ اٹھاتا ہے۔

**۳۔ دوسرے لوگوں سے فائدہ حاصل کرنا:**

یہ قسم، جہاں تک اس کا تعلق جسمانی قوتوں اور جسمانی طاقتوں سے ہے، اسی زمرے میں شمار کیا جاتا ہے، انسان دوسرے انسانوں کو استعمال کرتا ہے، جو کبھی فائدہ حاصل کرنے یا مدد کرنے کے لیے یا ظلم وستم کے لیے ہے

### ب: صنعتی طاقت

اس قسم میں انسانی طاقت کا براہ راست استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ قدرت کے ایک حصے کو دوسرے حصے میں استعمال کیا جاتا ہے، جسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

**ا۔ وہ استعمال جو تجرباتی اور عادی علوم کی مدد سے ہر کسی کے لیے دستیاب ہیں:**

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ؛ "اور ہم نے انہیں زرہ بنانے کی صنعت تعلیم دے دی تاکہ وہ تم کو جنگ کے خطرات سے محفوظ رکھ سکے" (سورہ انبیاء، آیت ۸۰)۔

**۲۔ غیر عادی علوم کی مدد سے قابو پانا**

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر جادو کے مسئلے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی تاثیر کو کم و بیش مانا گیا ہے۔ لیکن اس کی کتنی اقسام ہیں اور وہ کیسے متاثر ہوتا ہے یہ واضح نہیں ہے ہم بھی اسے اس حد تک قبول کرتے ہیں جس حد تک قرآن مجید نے کہا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ آیا اس کے اثرات حقیقی ہیں یا یہ احساسات اور تخیل پر قابو پانا اور نفوس پر اثر ڈالنا ہے۔

قرآن مجید میں کثرت سے ذکر کردہ صورتوں میں سے ایک فرعون کے جادوگر ہیں، جو آنکھ کا اندھا کر دینے اور دوسروں کے ذہنوں کو متاثر کرتے تھے:

سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ؛ "ان لوگوں نے رسیاں پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا" (سورہ اعراف، آیت ۱۱۶)۔

### ج: انسان کی سماجی طاقت

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فطری وسائل سے انسان دوسرے لوگوں پر عادی اثر ڈال سکتا ہے اور انہیں اپنے فائدے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ یہ بھی دو قسم کا ہے: نامطلوب اور مطلوب مطلوب یعنی تعاون اور ساتھ دینے کی قسم میں سے ہے

پہلی قسم کی آیات:

**أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ...؛** "کیا تم نے اس کے حال پر نظر نہیں کی جس نے ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں بحث کی..." (سورہ بقرہ، آیت ۲۵۸)۔

قرآن مجید میں خدا کی لسان توحید کی لسان ہے اور خدا ہر چیز کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور وہ کہتا ہے:

خدا نے نمرود کو بھی قدرت عطا فرمائی تھی (یہاں ہم اس کے شرعی یا غیر شرعی ہونے پر بات نہیں کر رہے) پھر طعنے بھرے لہجے میں کہتا ہے:

**وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِيّاً؛** "اور بعض کو بعض سے اونچا بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں" (سورہ زخرف، آیت ۳۲)۔

کسی میں جسمانی قوت زیادہ ہوتی ہے، کسی میں ذہانت زیادہ ہوتی ہے، کسی کے پاس حکمت زیادہ ہوتی ہے اور... یہ حکمتِ الٰہی کے مطابق ہے، اور یہ اختلاف ان کو ایک دوسرے کی ضرورت یا مشتاق کا باعث بناتا ہے، اور اس کے نتیجے میں سماجی زندگی مختلف ارتباط کے ساتھ وجود میں آتی ہے۔ یہ شاید سب سے اصلی سماجی نکتہ ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی معاشرہ کے وجود کا راز یہ ہے کہ انسانوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔

**د: مابعد الطبیعاتی طاقت**

مابعد الطبیعیاتی (مافوق طبیعت) قوت دو طرح کی ہوتی ہے:

**پہلی: نفسانی قوت** – یہ وہ قوت ہے جو انسان میں روح کی طاقت کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے، جیسے مرتاض اپنی مرضی سے جسم پر دباؤ ڈال کر روح کو تقویت دیتے ہیں اور قدرت کے عادی بہاؤ کے خلاف قابو پا لیتے ہیں۔ اسی قسم میں سامری کی کہانی بھی آتی ہے۔

**دوسری: الٰہی قوت** – قرآن کریم انبیاء اور اولیاء کے معجزات سے بھرا ہے، جسے چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

الف: غیر قدرتی عوامل جو قدرت سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ کا عصا جو اژدہا بن گیا، اور حضرت عیسیٰ کا مٹی میں پھونک کر زندہ پرندہ بنانا۔

ب: غیر قدرتی عوامل جو جانداروں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے حضرت سلیمان کا جانوروں پر قابو۔

ج: غیر قدرتی عوامل جو جن اور شیطان سے تعلق رکھتے ہیں، پھر حضرت سلیمان کا ان پر قابو۔

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

د: غیر قدرتی عوامل جو انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا۔

چنانچہ قرآن میں ہے: "اور اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنائے گا... کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بناؤں گا اور اس میں پھونک دوں گا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جائے گا، اور میں پیدائشی اندھے اور مبروص کا علاج کروں گا اور مردوں کو زندہ کروں گا" (سورہ آل عمران، آیت ۴۹)۔

## ۵۔ انسانی ہیجانات اور میلانات

علم اور طاقت دونوں اختیار کی شرط بھی ہیں اور وظیفہ کی شرط بھی ہیں۔ لیکن اختیار میں ایک اور عنصر بھی ہوتا ہے، چونکہ اس کا وجود فرض کیا جاتا ہے، اس لیے اسے ذمہ داری اور وظیفہ کی شرط نہیں سمجھا جاتا، اور وہ ہے "کام کے انجام دینے کی خواہش۔

دوسرے الفاظ میں، یہ اختیار کی ایک تکوینی شرط ہے، لیکن قانونی طور پر اسے شرط نہیں سمجھا جاتا ہے۔ معرفت نفسی اور نفسیاتی علم کے تجزیے میں ہم دیکھتے ہیں کہ خواہش کے بغیر ارادی اور اختیاری کام نہیں ہو سکتا۔ ایک نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصولا ارادہ خواہشات کا سرلوحہ ہے۔ انسانوں میں کسی چیز کی طرف ایک فطری کشش ہوتی ہے، اور یہ خواہش خاص حالات میں بنتی ہے تشخص اور تعین پیدا کرتی ہے روح میں ارادہ کی تشکیل کا باعث بنتی ہے۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی طور پر، ارادہ خواہش کا سرلوحہ ہے؛ یعنی ہم کبھی ارادہ نہیں کر سکتے جب تک کہ خواہش پیدا نہ ہو۔ ہر کسی کے لبوں پر ارادہ کی ایک مشہور تعریف ہے جو پہلے فلسفیوں نے کہی اور پھر ''اصول'' والوں نے کہی ارادہ شوق شدید ہے یا یہ کہ شوق شدید ارادہ کے وجود میں لانے کی شرط ہے۔

### الف: خواہشات

خواہشات انسان کی اندرونی کششیں ہیں جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور کبھی مل کر کام کرتی ہیں۔ ان کا تعلق ادراک کے نظام اور شناخت سے بھی ہوتا ہے، اور ادراک کی قوتیں انہیں مخصوص شکلیں دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، غذائیت کا غریزہ صرف پیٹ بھرنے کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ انسان چاہتا ہے کہ کھانا رنگین اور لذیذ ہو، دستر خوان پر پھول ہو—یہ خواہشات کا امتزاج ہے (مرتضیٰ مطہری، مجموعہ آثار، ج۳، ص ۲۶۳)۔

انسان میں پست خواہشات بھی پائی جاتی ہیں، لیکن جو شخص اعلیٰ کمالات حاصل کرنا چاہتا ہے، اسے ان میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے، بلکہ انہیں کمال کے حصول کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ جہاں کمال کا دارومدار ایثار پر ہے، وہاں پیٹ پوجا اور شہوت پرستی رکاوٹ نہیں بننی چاہیے، اور جہاں کمال کی شرط فداکاری ہے، وہاں مادی زندگی کی خواہش شہادت کے فیض سے نہیں روک سکتی۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے: "زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ ...؛ لوگوں کے لیے خواہشاتِ دنیا — عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، تندرست گھوڑے، چوپائے، کھیتیاں — سب مزین کر دی گئی ہیں، یہ متاعِ دنیا ہے اور اللہ کے پاس بہترین ٹھکانا ہے" (سورہ آل عمران، آیت ۱۴)۔

## ب: انفرادیت کی خواہش

انسان کی حیوانی خواہشات سے برتر دوسری فطری خواہشات میں سے ایک انفرادیت کی خواہش ہے، جس کے مختلف مظاہر معاشرے میں دیکھے جاتے ہیں۔

نشوونما کے مراحل میں پہلا مرحلہ اس کی ابتدائی کلیاں جوانی میں نمودار ہوتی ہیں، جب خواہش رسوخ کر کے محبت بن جاتی ہے۔ پھر بلوغت کے بعد بچہ بزرگوں کی نقل کرنے کے بجائے "خود" بننا چاہتا ہے، دوسروں کی باتوں کو نہیں سنتا، جو سمجھتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ کیفیت دراصل کمال کی طلب ہے جو خدا کی حکمت سے انسان کے ارتقاء کے لیے مفید ہے، لیکن پہچان کی کمی کی وجہ سے محدود شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

بڑی عمر میں شخصیت پرستی رفتہ رفتہ حکومت پرستی کی خواہش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر انسان حکمران بننا چاہتا ہے، دوسرے اس کی بات سنیں، وہ مشہور ہو۔ شہرت کی تلاش، قیادت کی خواہش، مقبول اور محبوب بننے کی خواہش وغیرہ اس کی شکلیں ہیں۔

قرآنی مجید فرماتا ہے: "مَن كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعاً؛ جو کوئی عزت چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ ہی کے لیے ہے" (سورہ فاطر، آیت ۱۰) یہاں قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے کہ بعض بت پرست بھی عزت حاصل کرنے کے لیے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ عزت و آبرو کا حصول خود اپنے آپ میں برا نہیں ہے، لیکن عزت صرف معاشرے کی اعتباری عزت تک محدود نہیں ہے۔ لہٰذا اگر تم باعزت بننا چاہتے ہو تو ایسا کام کرو جو اللہ کے نزدیک باعزت بنائے۔ اگر تم محتاج انسانوں کے سامنے باعزت بننا چاہتے ہو تو امیر اور اعلیٰ رب کے سامنے باعزت کیوں نہیں بننا چاہتے؟

## ج: زندہ رہنے کی خواہش

زندہ رہنے کی خواہش بھی انسان کی فطری خواہشات میں سے ہے، انسان کبھی مرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مرنا تباہی ہے وہ لمبی زندگی چاہتا ہے۔ قرآن مجید بنی اسرائیل کے بارے میں نقل کرتا ہے کہ وہ ایک ہزار سال جینا چاہتے تھے:

يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ؛"ان میں سے ہر ایک ہزار برس کی عمر چاہتا ہے"(سورہ بقرہ، آیت ۹۶)۔

ہزار کثرت کی علامت ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ ایک ہزار اور ایک سال نہیں چاہتے تھے۔ یہ خواہش ہر ایک میں موجود تھی حتیٰ کہ ہم سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام میں بھی تھی اور شیطان نے اسی خواہش سے انہیں ع دھوکا دیا:

## د: خدا کی طرف میلان

انسان کی تمام مادی اور دنیوی وابستگیوں کے باوجود اس کے دل کی گہرائی اور تاریک گوشے میں خدا کی طرف ایک خاص اور پوشیدہ میلان موجود ہے، جو بدقسمتی سے بہت سے ماہرین نفسیات کے لیے نامعلوم رہا ہے۔ یہ میلان نہ صرف جذباتی احساس ہے اور نہ صرف عاطفت، بلکہ ان دونوں سے زیادہ نازک اور پوشیدہ ہے۔

چونکہ انسان کی آخری کمالیت اسی میلان سے منسلک ہے، اس لیے اس کی نشوونما انسانی اختیار اور خودی کے ذریعے ہوتی ہے۔ غرائز اور قدرتی خواہشات (جیسے بھوک اور جنسی جبلت) خود بخود پروان چڑھتی ہیں، لیکن روحانی کمالات خود شکوفا نہیں ہوتے، بلکہ انہیں پروان چڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے موضوع کے بارے میں جانا جائے، پھر اختیار کا استعمال کرتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم بڑھایا جائے۔

اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ رہنما ہے۔ جب ستارے ڈوب گئے تو آپ نے فرمایا: "لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ؛ میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا)"(سورہ انعام، آیت ۷۶)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کی خواہش کسی ابدیت اور ہمیشہ حاضر ہستی سے ہونی چاہیے، جو اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ خدا کی محبت کے بعد، جو چیز خدا سے متعلق ہوتی ہے وہ انسان کو محبوب ہو جاتی ہے۔

## ٦۔ انسان کی متضاد خواہشات میں ترجیح کا معیار؟

انسان کی ہر اختیاری حرکت اور انتخاب تین بنیادی عناصر پر استوار ہے: خواہش، شعور اور طاقت۔ یہ تینوں مل کر ایک مثلث تشکیل دیتے ہیں جو عمل کا مقدمہ فراہم کرتی ہے۔ لیکن جب انسان کے سامنے متضاد خواہشات آئیں، یعنی ایک وقت میں دو یا زیادہ خواہشیں جن کا آپس میں ٹکراؤ ہو، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترجیح کس بنیاد پر دی جائے؟ اس سوال کے جواب میں تین ممکنہ معیار سامنے آتے ہیں:

پہلا معیار لذت کی شدت ہے۔ انسان اس کام کو ترجیح دے جو زیادہ شدید لذت فراہم کرے، بشرطیکہ اس نے پہلے اس لذت کا تجربہ کیا ہو۔ دوسرا معیار لذت کی مدت ہے۔ بعض اوقات ایک لذت کم شدید مگر زیادہ دیرپا ہوتی ہے، جبکہ دوسری زیادہ شدید مگر عارضی۔ یہاں طویل مدتی لذت کو ترجیح دینی چاہیے۔ تیسرا معیار کمال کی مقدار ہے۔ وہ عمل جو انسان میں زیادہ کمال پیدا کرے، زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ہر کمال کے ساتھ لذت وابستہ ہوتی ہے — خواہ وہ لذت تجربے میں نہ آئی ہو، لیکن عقلی دلیل سے اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

ان تینوں معیاروں کے باوجود، عملی زندگی میں انسان شدید الجھن کا شکار رہتا ہے۔ اس کی وجوہات یہ ہیں:

بعض لذتیں بھول چکا ہوتا ہے، اس لیے ان کا موازنہ ممکن نہیں۔

جذباتی کیفیت اس کی توجہ کو دیگر لذتوں سے ہٹا دیتی ہے۔

بہت سی لذتوں کا اس نے ذائقہ ہی نہیں چکھا (جیسے بچہ موج سواری کی لذت سے ناواقف)۔

اگر دو لذتوں کی مدت برابر بھی ہو تو پھر کون سی افضل ہو گی؟

انسان کو اپنی عمر کی طوالت کا علم نہیں، اس لیے وہ یہ نہیں جان سکتا کہ دیرپا لذت واقعی اس کے لیے بہتر ہے یا نہیں۔

کمال کی انتہا اور انسانی فطرت کی حقیقت بھی معلوم نہیں، جس کے بغیر یہ طے نہیں ہو سکتا کہ کون سا کمال حقیقی ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر یہ تینوں معیار اگرچہ کچھ حد تک کارآمد ہیں، لیکن تنہا مکمل اور قطعی فیصلہ کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

اس کا حل یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنے وجود کے بارے میں گہرا غور و فکر کرے: اس کی عمر کیا صرف یہ معمولی سی زندگی ہے جو چند روزہ ہے، یا اس کے لیے کوئی اور زندگی بھی ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی؟ دوسری طرف، وہ کمالات جو وہ حاصل کر سکتا ہے—ان کا ماخذ کیا ہے؟ کیا وہ اتفاقی ہیں یا ان کا کوئی قانون ہے؟

یہاں سے گفتگو دو بنیادی سوالات تک پہنچتی ہے:

پہلا: کمال کہاں سے آتا ہے اور کن قواعد کے تحت پیدا ہوتا ہے؟ (یہ خداشناسی سے متعلق ہے)

دوسرا: یہ کمال کب تک جاری رہے گا؟ (یہ معاد سے متعلق ہے)

انسان اسی وقت اپنی زندگی کے لیے صحیح نظامِ اقدار کا تعین کر سکتا ہے جب اسے مبدأ (خدا) اور معاد (آخرت) کا علم ہو۔ ورنہ وہ اپنی خواہشات کی ترجیح میں ہمیشہ الجھا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سیکولر فلسفۂ اخلاق نے خیر و شر کے معیار پر بہت کوشش کی لیکن روز بروز زیادہ الجھاؤ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔

اسلام اور قرآن مجید کی روشنی میں یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جاتا ہے، لیکن افسوس کہ بہت سے تربیت یافتہ لوگ بھی دنیا کی زندگی کی کشش میں آخرت کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ جب تک انسان ابدی زندگی کو اپنے فیصلوں میں شامل نہیں کرتا، اس کے رویوں کا کوئی مستحکم اور درست نظام تشکیل نہیں پا سکتا۔

نتیجہ یہ ہے کہ متضاد خواہشات میں ترجیح کا حقیقی معیار صرف وہی ہے جو انسان کی آخرت کو مدنظر رکھے—کیونکہ اس دنیا کی عارضی لذتیں اور کمالات، بغیر ابدی تناظر کے، درست فیصلے کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ (انسان شناسی در قرآن، آیۃ اللہ مصباح یزدی، ص ۱۶۵-۱۶۶)۔

## خاتمہ

قرآن مجید اور آیت اللہ مصباح یزدی (رحمۃ اللہ) کے فکری نظام کی تحلیل سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسانی اختیار محض ایک نظری اصول یا عقیدتی تسلیم نہیں، بلکہ ایک عملی، وجودی اور اخلاقی حقیقت ہے جو انسان کی کائناتی منزل کا تعین کرتی ہے جہاں قرآن مجید انسان کو ایک مختار، ذمہ دار اور عقلمند وجود کے طور پر پیش کرتا ہے۔ وہیں قرآن مجید اور آیت اللہ مصباح یزدی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اختیار کو صرف "چاہنے" یا "ارادہ کرنے" تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس کے لیے شرائط متعین کی ہیں: علمِ حقیقی، عملی طاقت، اور غریزی و روحانی میلانات کا توازن۔ یہ شرائط ہی

اس بات کی ضمانت ہیں کہ انسان کا انتخاب معنی خیز، اخلاقی اور سعادت بخش ہو۔ اس کے ساتھ انسانی انتخاب کا معیار آخر کار اس امر پر منحصر ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو مادی مقاصد سے ماورا، روحانی کمال اور الٰہی قربت کی جانب کتنی بلندی تک لے جاسکتا ہے۔ اس لیے، انسانی زندگی کا اصل مقصد محض "انتخاب کرنا" نہیں، بلکہ "حق کے لیے، حق کے ساتھ اور حق کی جانب" انتخاب کرنا ہے — اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان خلیفۂ ربانی کے وقار کو سجانے اور ابدی سعادت کو حاصل کرنے کا مستحق بنتا ہے۔

# کتابیات

قرآن کریم۔

انوار القرآن ترجمہ قرآن (ترجمہ قرآن مجید و حواشی)، علامہ ذیشان حیدر جوادی، تنظیم المکاتب، لکھنو، ہندوستان۔

۱. جعفری، محمد تقی، جبر و اختیار، (۱۳۷۹ش)، مؤسسۃ تدوین و نشر آثار علامہ جعفری.
۲. الخزاعی النیشابوری، حسین بن علی، روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن، (۱۳۶۶ - ۱۳۷۴ش)، بنیاد پژوھش ھای اسلامی آستان قدس رضوی، مشھد.
۳. رجبی، محمود، انسان شناسی، (۱۳۸۱ش)، موسسۃ آموزشی وپژوھشی امام خمینی (رحمہ اللہ)، قم.
۴. سایت آیۃ اللہ مصباح یزدی (www.mesbahyazdi.ir )۔
۵. سبحانی، جعفر، اصالت روح از نظر قرآن، (۱۳۶۸ش)، مؤسسۃ امام صادق (علیہ السلام)، قم.
۶. سبحانی، جعفر، جبر و اختیار، (۱۳۶۸)، مؤسسۃ امام صادق (علیہ السلام)، قم.
۷. الطباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، (۱۳۶۷ق)، دار الکتب الاسلامیۃ، چاپ دوم.
۸. الطبرسی، ابو علی الفضل بن الحسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، (۱۳۷۹ق)، دار احیاء التراث العربی، بیروت.
۹. الطوسی، ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی، التبیان فی تفسیر القرآن، (۱۴۰۹ق)، مکتب الاعلام الاسلامی، چاپ اول.
۱۰. عبد الباقی، محمد فؤاد، المعجم المفھرس لألفاظ القرآن الکریم، (۱۳۶۴ق)، دار الکتب المصریۃ، قاھرہ.
۱۱. العروسی الحویزی، عبد علی بن جمعۃ، نور الثقلین، مطبعۃ العلمیۃ، چاپ دوم.
۱۲. کاشانی، فتح اللہ، منھج الصادقین فی الزام المخالفین (۱۳۴۴ش)، چاپ دوم، تھران، اسلامیہ.
۱۳. محمد تقی مصباح یزدی، خودشناسی برای خودسازی، (۱۳۸۳ش)، مؤسسۃ آموزشی و پژوھشی امام خمینی (رحمہ اللہ)، قم.
۱۴. محمد حسین طباطبائی، نھایۃ الحکمۃ، تصحیح و تعلیق: غلامرضا الفیاضی.
۱۵. مرتضیٰ مطھری، انسان و سرنوشت، (۱۳۶۸ش)، انتشارات صدرا، تھران.
۱۶. مصباح یزدی، محمد تقی، معارف قرآن (خداشناسی)، (۱۳۷۳ش)، مؤسسۃ در راہ حق، قم.

۱۷. مصباح یزدی، محمد تقی، انسان شناسی در قرآن، (۱۳۸۳ش)، مؤسسة آموزشی و پژوهشی امام خمینی (رحمہ اللہ)، قم.
۱۸. مطهری، مرتضی، مجموعہ آثار، ج ۱، (۱۳۷۳ش)، انتشارات صدرا، تھران.
۱۹. مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، (۲۰۱۲م)، ادارہ تصنیف و تالیف فیروز سینٹر، لاہور پاکستان، چاپ پنجم.
۲۰. واعظی، احمد، انسان شناسی، (۱۳۷۷ش)، دفتر همکاری حوزه و دانشگاه، قم.